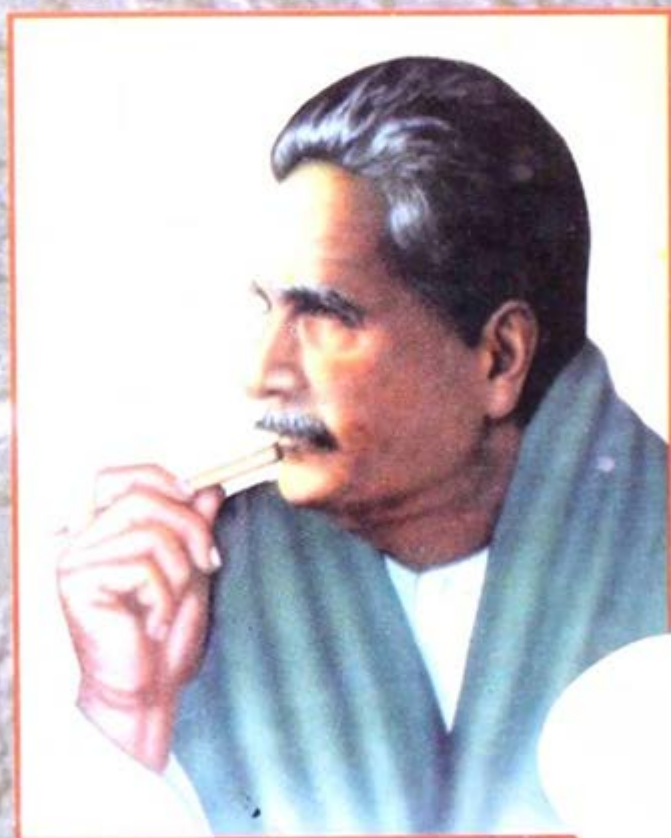


علامہ اقبالؒ کے اشعار

(حروفِ تجلی کے اعتبار سے منتخب کلامِ اقبال)

مرتبہ: عابد احسان



کتابی دُنیا دہلی

علامہ اقبال کے اشعار

(ادنی تحقیق اور بیت بازی کے لئے)

عابد احسان



Allama Iqbal ke Ashaar

(Selected Urdu Poetry by Allama Iqbal In Alphabetical order)

by

Abid Ahsan

Year of First Edition 2004

ISBN-81-87666-71-4

Price : Rs. 100/-

نام کتاب ----- علامہ اقبال کے اشعار
مرتب ----- عابد احسان
سہ اشاعت ----- ۲۰۰۴ء
قیمت ----- ۱۰۰ روپے
مطبع ----- کنگ آفسیٹ پرنٹرس، دہلی ۶

Published by :
KITABI DUNIYA

1955, Gali Nawab Mirza, Mohalla Qabristan,
Turkman Gate, Delhi. 110006 (INDIA)
E-mail: kitabiduniya@rediffmail.com
Phone: 23288452, Reliance Mobile: 35972589

فہرست

صفحہ نمبر	تفصیل	نمبر شمار
5	پیش لفظ	1
6	افادیت کی حامل کتاب	2
7	ایک بیش قیمت علمی و ادبی کاوش	3
8	اپنی نوعیت کی منفرد کتاب	4
9	ایک مبارک اور مستحسن کوشش	5
10	بامقصد شاعری کا انتخاب	6
11	مگر اں قدر خدمت	7

81	خ	15	آ
85	و	19	ا
89	ذ	37	ب
90	ر	45	پ
94	ز	53	ت
98	س	70	ج
105	ش	74	چ
109	ص	77	ح

125	ک	111	ض
136	گ	112	ط
140	ل	113	ظ
142	م	114	ع
152	ن	118	غ
158	و	120	ف
163	د	123	ق
169	ے		

173	بچے کی دعا	
174	ستاروں سے آگے جہاں	
175	لا الہ الا اللہ	
176	خطاب پہ نوجوانان اسلام	

پیش لفظ

علامہ اقبال کی بنیادی پچپان شاعری ہے جس کے ذریعے انہوں نے مسلمانانِ ہند میں سیاسی شعور بیدار کیا۔ اپنی بامقصد شاعری کے ذریعے انہوں نے پوری امت مسلمہ کو نئی زندگی سے روشناس کرایا۔

کلام اقبال کو مختلف ادوار میں مختلف انداز سے پیش کیا جا چکا ہے۔ زیرِ نظر کتاب "علامہ اقبال کے اشعار" کو ترتیب دینے کا مقصد طلباء اور نوجوان نسل کو کلام اقبال سے روشناس کروانا اور ہست بازی کے شائقین کے لئے سہولت پیدا کرنا ہے۔

یہ کتاب صرف علامہ اقبال کے مشہور اور اہم منتخب اشعار پر مشتمل ہے جسے حروفِ حجازی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس لئے عام قارئین کے علاوہ طلباء اور محققین بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

کتاب مرتب کرنے کے سلسلے میں والدِ محترم احسان اللہ شاہ قب نے بھرپور رہنمائی فرمائی۔ اس کے علاوہ جناب انصار شاہین، جناب حفیظ صدیقی، جناب اسلم کولسری، جناب سعد اللہ شاہ اور اقبال احمد اعوان نے کتاب کو بھرپور تحسین دیکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

قارئین سے امید کی جاتی ہے کہ وہ کتاب کی بھری کے سلسلے میں اپنے قیمتی مشورہ جات سے نوازیں گے۔

عابد احسان

افادیت کی حامل کتاب

زیر نظر کتاب "علامہ اقبال کے اشعار" جناب عابد احسان کے مطالعاتی تجزیوں کا نچوڑ ہے۔ اشعار کا جمع کرنا اور پھر حروفِ تنجی کے مطابق کافی محنت طلب کام ہے۔ یہ کتاب کئی لحاظ سے افادیت کی حامل ہے۔ قاری کو ایک طرف علامہ اقبال کے طرّم دار اشعار سے آگاہی حاصل ہوگی اور دوسری طرف اس کے شعری خزانے میں اضافہ ہوگا جو خاص طور پر بیت بازی کے لئے مفید ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں عابد احسان کی محنت، تجربہ اور نئی باتوں کو جمع کرنے کی خواہش تمام ہولتی تصویریں ہیں۔

اظہارِ شاہین

14-1-01-2001

لاہور

ایک بیش قیمت علمی وادنی کاوش

علامہ اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں۔ ان کا کلام غالباً سب شاعروں سے زیادہ پڑھا جانے والا ہے، اسی لیے کثیر الاشاعت بھی ہے۔ کلام اقبال الگ الگ شعری مجموعوں کی صورت میں بھی بے شمار دفعہ شائع ہوا ہے اور کلیات کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ عابد احسان نے کلام اقبال کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے جس میں اب تک اسے پیش نہیں کیا گیا۔

"علامہ اقبال کے اشعار" کے نام سے عابد احسان کا مرتب کردہ کلام اقبال حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ چنانچہ بیت بازی کے شائقین اور کلام اقبال کے محققین کے لیے علامہ کے اشعار کی تلاش کا کام آسان بنا دیا گیا ہے۔ یہ ایک سخت محنت طلب کام تھا جو نوجوان مرتب نے پوری توجہ اور خاصی کاوش کے ساتھ انجام دیا ہے۔

امید ہے کہ اہل علم خاص طور سے کلام اقبال سے دلچسپی رکھنے والے قارئین اس بیش قیمت علمی وادنی کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

حفیظ صدیقی

9-1-2001

اپنی نوعیت کی منفرد کتاب

علامہ اقبال نہ صرف ایک عظیم مفکر اور دانشور تھے بلکہ انہوں نے 1930ء میں الہ آباد کے صدارتی خطبہ میں پاکستان کے خاکہ کی نشاندہی بھی کی اس لحاظ سے ان کو مفکر پاکستان کا خطاب بھی دیا گیا ہے۔ تاہم علامہ اقبال کی اصل پہچان انکی شاعری ہے۔ شاعر مشرق نے مسلمانوں کے اندر آزادی کی تڑپ اور جذبہ حریت پیدا کیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے فلسفہ خودی کو استعمال کیا مثلاً

خودی ہو زندہ تو دریائے نیکراں پا یاب

خودی ہو زندہ تو کہسار پر نیاں و حریر

زیر نظر کتاب "علامہ اقبال کے اشعار" عزیزم عابد احسان کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس میں کلیات اقبال میں شامل اردو کے تقریباً تمام اہم اشعار کو حروفِ جمعہ کے اعتبار سے ترتیب دے دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اپنی نوعیت کی یہ منفرد کتاب ہے۔ امید ہے کہ بیت بازی میں دلچسپی رکھنے والوں اور اقبال پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے یہ ایک مفید دستاویز کا کام دے گی۔

احسان اللہ ثاقب

لاہور 16 جنوری 2001ء

ایک مبارک اور مستحسن کوشش

عابد احسان نے بیت بازی کے لیے، حکیم امت علامہ اقبال کے اشعار کو حروفِ جمعی کے اعتبار سے مرتب کر کے جہاں بیت بازی کے شائق طلباء و طالبات کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے وہاں فخرِ اقبال کو فروغ دینے کا قومی اور ملی فریضہ بھی ادا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

بیت بازی کے لئے مختلف شعرا کے اشعار جمع کرنے میں زیادہ سہولت تھی۔ مگر عابد احسان نے اس مقصد کے لئے صرف حضرت علامہ اقبال کے کلام کو پیش نظر رکھا۔ میں عابد احسان کو ان کی اس مبارک اور مستحسن کوشش پر بدیہیہ تحریک پیش کرتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ وہ اس سلسلے میں مزید روشن راہیں تلاش کرنے میں نکلن رہیں اور قدم قدم کا میانی ان کا استقبال کرے۔

اسلم کولسری

لاہور

بامقصد شاعری کا انتخاب

ہیت بازی ہماری ایک روایت ہے اور اس مقصد کے لیے بہت سی کتب چھپ چکی ہیں جن میں مختلف شعراء کے اشعار حروف تہجی کے اعتبار سے شامل ہیں۔ ایسی مثال بھی ہے کہ ایک ہی فرد نے ہیت بازی کا پورا مجموعہ تخلیق کیا ہو۔ مگر عابد احسان کے مرتب کردہ شعری گلدستے کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں شامل تمام اشعار مفکر پاکستان، شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبال کی شاعری سے لیے گئے ہیں۔ ہیت بازی کی یہ کتاب دہری اہمیت کی حامل ہے۔ ایک تو اس سے مطلوبہ مقصد پورا ہوتا ہے دوسرا نوجوان نسل تک فکر اقبال کی رسائی ہوگی۔

عابد احسان مبارکباد کا مستحق ہے کہ اس نے عام رجحان کے برعکس بامقصد شاعری کا انتخاب کیا۔ اس کتاب کی افادیت مقررین اور مصنفین کے لیے بھی بہت زیادہ ہوگی۔ یقیناً اس پیشکش کو سکولوں، کالجوں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں بہت پزیرائی ملے گی اور ایک ایسی ہیت بازی کی طرح پڑے گی جس میں صرف اقبال ہی کے اشعار پڑھے جائیں گے اور اس طرح نسل نو پر مثبت سوچ کا منظر طلوع ہوگا۔

سعد اللہ شاہ

10/01/2001

181۔ ستلج بلاک علامہ اقبال ٹاؤن

لاہور

گراں قدر خدمت

علامہ اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں۔ طلباء اور طالبات کو ان کی شاعری کے بارے میں روشناس کرنا ضروری ہے۔ طلباء اور طالبات کو علامہ اقبال کے جتنے بھی اشعار زبانی یاد ہوں وہ ان کی عملی زندگی کے لئے مفید ہیں۔ حروفِ جمعی کے اعتبار سے علامہ اقبال کے اشعار کو ترتیب دینے سے طلباء کیلئے کلامِ اقبال کو سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہوگی۔

احسان اللہ ثاقب کے صاحبزادے عابد احسان نے کلامِ اقبال کو حروفِ جمعی کے اعتبار سے ترتیب دے کر گراں قدر خدمت سرانجام دی ہے جو کہ ایلمنٹری، سیکنڈری مدارس اور کالجوں کے طلباء و طالبات کے مابین بیٹ بازی کے مقابلہ جات کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

اقبال احمد اعوان

سیلیئر ہینڈ ماسٹر

گورنمنٹ ہائی سکول اقبال ٹاؤن،

لاہور۔

انتساب

نامور شاعر، ممتاز ریاضی دان، اور بلند پایہ ماہر تعلیم

اپنے دلدادگان

فاخر ہریانوی

کے نام

عابد احسان



آیا ہے تُو جہاں میں مثالِ شرار دیکھ
دم دے نہ جائے ہستیِ ناپائدار دیکھ

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانا
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھماتا

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو بای

آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مالِ فقیرِ سلطنتِ روم و شام

آتی ہے مدیِ فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تنسیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا

آتی نہیں صدائیں اُس کی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں!

آئی بہار! کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

آزاد مجھ کو کر دے! او قید کرنے والے!
میں بے زباں ہوں قیدی! تو چھوڑ کر دعا لے

آدمی واں بھی حصارِ غم میں ہے محصور کیا؟
اس ولایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

آزاد فکر سے ہوں عزالت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کاٹنا نکل گیا ہو

آہ! اے رازِ عیاں کے نہ سمجھنے والے!
حلقہء دامِ تمنا میں الجھنے والے

آہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے انسان میں اک ہنگامہ خاموش ہے

آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا سہما
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

آیا ہے آسمان سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے متاب کی کرن میں

۲۔ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
پتھر کو پھر ملا دیں 'نقشِ دُئی' منادیں

آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

آگ بھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار
حاصلِ خلقِ عظیم، صاحبِ صدق و یقین

آئی صدائے جبرئیل، تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لیے بخشِ دوام ہے یہی

آسمان میں راہ کرتی ہے خودی
صیدِ مردماہ کرتی ہے خودی

آسمانوں پر مرا فکر بند
میں زمیں پر خوار و زار و درد مند

آہ اے چریل! تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سید

آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں
کھو جائیں گے افلاک کے سب ثبات و سیار

آئی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا مد
ہیں اہل نظر بشور پنجاب سے ہزار

آہ! اس عادت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا
تو تکیوں آشنا میں بھی تکیوں آشنا



اے طائرِ لا ہوتی! اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے اُٹی ہو پرواز میں کوتاہی

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی ہستی کے یارب رہنے والے ہیں

امید حور نے سب کچھ سمجھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے بھالے ہیں

اُڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ جبہ سائی سے
تو سب آستانِ کعبہ جا ملتا جہینوں میں

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش ہوں میں
بھ کو نظارے کی تمنا ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

الٹی سحر ہے ہیرانِ خرقہ پوش میں کیا!
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں

اے باد صبا! کھلی والے سے جا کہو پیغام مرا
قبضے سے اُست بھاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی مٹی

ابر نیساں! یہ ننگِ خشکیِ شبنم کب تک
مرے ٹہسار کے لالے ہیں تھی جامِ ابھی

اس گُلستاں میں نہیں حد سے گزرتا لہجہ
ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر

اے رہرو فرزانہ! رستے میں اگر تیرے
مکملش ہے تو شبنم ہو، صحرا ہے تو طوفاں ہو

اگر کج رو ہیں انجم، آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لا مکاں خالی
خطا کس کی ہے یارب! لا مکاں تیرا ہے یا میرا؟

اسے صبحِ ازل انکار کی جرات ہوئی کیونکر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا؟

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا؟

اثر کرے نہ کرے، سُن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

اگرچہ بحر کی موجوں میں ہے مقام اس کا
صفائے پاکِ طینت سے ہے نمبر کا وضو

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی بچ و تابِ رازی

اپنی جولاں گاہ زیرِ آسمان سمجھا تھا میں
آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

اک دانشِ نورانی، اک دانشِ برہانی
ہے دانشِ برہانی، حیرت کی فراوانی

اس پیکرِ خاکی میں اک شے ہے، سو وہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شے کی ہمبانی

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تُو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو مانا سکتے ہیں پاشند

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں 'بیگانے بھی ناخوش
میں زہر بلا ہل کو کبھی کہہ نہ سکا قد

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
مہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

اب حجر، صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خون دل شیراں ہو جس فقر کی دستاویز

اے حلقہء درویشاں! وہ مرد خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامہء رستاخیز

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبب میں ہے جیحوں

امین راز ہے مردانِ مَحْر کی درویشی
کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبتِ خویشی

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بتا نہ بن اپنا تو بن

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دار و جم

اے مسلمان! اپنے دل سے پوچھ 'ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

اُسی ظلم تلخ میں امیر ہے آدم
نخل میں اس کی ہیں اب تک بتان عہد حقیق

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق

اس اندیشے سے ضبط آہ میں کرتا رہوں کب تک
کہ مٹے زاوے نہ لے جائیں تری قسمت کی چنگاری

اک اضطراب مسلسل، غیاب ہو کہ حضور
میں خود کموں تو مری داستاں دراز نہیں

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زور عجم
نغان نیم شبی بے نوائے راز نہیں

اک شرعِ مسلمانیٰ اک جذبِ مسلمانیٰ
ہے جذبِ مسلمانیٰ سرِ فلکِ الافلاک

اے رہبرِ فرزانہ! ہے جذبِ مسلمانیٰ
نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقیںِ نمناک

انھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمِ ناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ!

اسی خطا سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مالِ سکندری کیا ہے

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر
کرتے ہیں خطابِ آخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تابِ اول، سوز و تب و تابِ آخر

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمودِ بے سیائی

اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ!
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ

اے لا الہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں
مُکھیاں دہرائے کردارِ قاہرانہ

اگر ہوتا وہ مہذبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیرِ دام کیا

اٹ جائیں گے تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی یہ خلاق

اگر کھو گیا اک نشین تو کیا غم
سقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

اندھیری شب ہے 'جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لیے ہے مرا شعلہء نوا' قدیل

اس خاک کو اللہ نے جھٹے ہیں وہ آنسو
کرتی سہ چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک

اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر
گردشِ دوراں کا ہے جس کی زباں مدِ گلہ

ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک
ایک سرمستی و حیرت ہے تمام آگاہی

اگرچہ میرے نشیمن کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طائرِ چمن کا نصیب

اندازِ میاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

اے ہمالہ! اے فسیلِ کشورِ ہندوستان
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

امتحانِ دیدہ ظاہر میں کوہستاں ہے تو
پاسہاں اپنا ہے تو دیوارِ ہندوستان ہے تو

اے ہمالہ داستانِ اس وقت کی کوئی بنا
سکن کبائے انساں جب بنا دامنِ ترا

ان نرم پھونوں سے خدا مجھ کو چائے
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا

اس قید کا الٹی! دکھڑا کسے سناؤں
 ڈر ہے یہیں قفس میں، میں غم سے مر نہ جاؤں

اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
 چشمِ خرد کو اپنی جلی سے نور دے

اے شمع! انتائے فریب خیال دیکھ
 مہبود ساکنانِ فلک کا مال دیکھ

اس خاموشی میں جائیں اتنے بلند نالے
 تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

اے دردِ عشق! ہے غمِ آبِ وار تو
 نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تو!

انجمنِ حسن کی ہے تو تری تصویر ہوں میں
 عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

اجالا جب ہوا رخصتِ جہنمِ شب کی افشاں کا
 نسیمِ زندگی پیغامِ لائی صبحِ خنداں کا

اے رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب!
 جل گئی مزرعِ ہستی تو اکا دانہء دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دل کسی اور کا دیوانہ میں دیوانہ دل

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ زرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اڑا لی قمریوں نے، طوطیوں نے، عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری

اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو

انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
بزم میں اپنی اگر یکتا ہے تو، تنہا ہوں میں

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں ورنہ
نغمہ ہے نوائے بُبُل، بُ پھول کی چمک ہے

اپنوں سے میر رکھنا تو نے ہوں سے سیکھا
جنگ و جدل سیکھایا واعظ کو بھی خدا نے

اب کہاں وہ بائین، وہ شوخی طرزِ میاں
آگ تھی کافور پیری میں جوانی کی نماں

اب صبا سے کون پوچھے گا سکوتِ گل کا راز
کون سمجھے گا چمن میں نالہء بلبل کا راز

اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبلِ شیراز بھی
سیکڑوں ساحر بھی ہوں گے، صاحبِ اعجاز بھی

اس نظارے سے ترا ننھا سا دل حیران ہے
یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر پہچان ہے

اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کس ہو کہ کو، منزلِ آخر فنا

اے حرمِ قرطہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام، جس میں نہیں رفت و بود

اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج، دجلہ و دنیوب و نیل

اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہدِ پہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل

اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی گمہ دل نواز

اک فغان بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
سوہ بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاثیر بھی

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات

اُٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاغذِ اُمر کے درو دیوارِ ہلا دو

اللہ کا سو شکر کہ پروانہ نہیں میں
درِ یوزہ عمر آتشِ بیگانہ نہیں میں

اس کے آبِ لالہ گؤں کی خونِ دہقان سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا

اس کے نعت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے، مرد غریب و بے نوا

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جیندی و اردشیری

امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زور حیدری تجھ میں، نہ استغنائے سلمانی

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھور کی آنکھ
دریا سے انھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

اے بابیلیائی! مجھ کو بھی عنایت ہو
خاموشی و دل سوزی، سرمستی و رعنائی!

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے مولے کو شہباز سے

اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج دود

اسی کے ہیلیاں، اسی کے نیول
اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں پھول

اتر کر جہانِ مکافات میں
رہی زندگی موت کی گھات میں

ازل اس کے پیچھے، بُد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے، نہ حد سامنے

اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز و پس و پیش سے

ازل سے ہے یہ نقشِ میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر

اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ

اے امام عاشقان درد مند!
یاد ہے مجھ کو ترا حرفِ بلند

اے نگہ تیری مرے دل کی کشاد
کھول مجھ پر نکتہء حکمِ جماد

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو
سرد کیونکر ہو گیا اس کا بُو؟

اے شریک مستی خاصانِ بدر
میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدر!

اب یہاں میری گزر ممکن نہیں، ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالمِ بے کاغذ و کوا!

اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سحر نے
آدم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟

اتھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ بند سے مینا و جام پیدا کر

اپنے وطن میں ہوں کہ غریبِ الدیار ہوں
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں

اس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام؟
کہتے ہیں چراغِ رہِ احرار ہے رومی

اک مفلس خود دار یہ کہتا تھا خدا سے
میں کر نہیں سکتا گلہء دردِ فقیری

اسی خاک میں دب گئی تیری آگ
سحر کی ازاں ہو گئی، اب تو جاگ!

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی ازاں اور، مجاہد کی ازاں اور

اک دوست نے بھونا ہوا جیڑے اسے بھجیا
شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات

اس کھیل میں تعین مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں میں پیادہ

افسوس، صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارت

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو مچھیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں گیری

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خامیت اکسیری

اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی، سرمایہ شبیری!

اگر لو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس

اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد



ہے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں
لرز جاتا ہے آواز اذال سے

نُرا سمجھوں انہیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے لختہ چیموں میں

نہری بزم میں راز کی بات کہہ دی
ہوا ہے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

دھما کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ!
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

بزم ہستی! اپنی آرائش پہ تو نازاں نہ ہو
تُو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

بلندی آسمانوں میں ' زمینوں میں تری پستی
روانی بحر میں ' افتادگی تیری کنارے میں

بارغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کار جہاں دراز ہے ' اب مرا انتظار کر

دنیا عشق نے دریائے نا پیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود بھمداری م ساحل نہ بن جائے

بھجائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
کیا ہے اس نے فقیروں کو وارث پرور

ہے مجاہد سے تری ٹوٹا ٹکابوں کا ظلم
اک ردائے نیلگوں کو آسمان سمجھا تھا میں

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا ' وہاں ہے ذوق ہے صبا

برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

بہت مدت کے پٹیروں کا انداز نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہبازی کا

جہلی ہوں، نظر کوہ و پہاڑ پہ ہے میری
میرے لیے شاہیاں خس و خاشاک نہیں ہے

نہ مان، ذرا آزما کے دیکھ اسے
فرغ دل کی خرابی، خرد کی معسوری

بڑا کریم ہے اقبال ہے نوا لیکن
عطائے شعلہ شرر کے سوا کچھ اور نہیں

ہوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سسی اور کافری کیا ہے!

بے ذوق، نمود، زندگی، موت
تعمیر، خودی، میں، ہے، خدائی

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا، وہ تو کر!

یہ کے خیبر سے ہے یہ معرکہ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر گزار بھی ہے؟

بدلے یک رنگی کے یہ نا آشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب

باعث ہے تُو وجود و عدم کی نمود کا
ہے بزر تیرے دم سے چمن ہست و یاد کا

ہزم جہاں میں نہیں بھی ہوں اے شمع! درد مند
فریاد در گرہ صفت دانہء سپند

بُستان و بلبل و گل و بوہ ہے یہ آگئی
اصل کشا کش من و تُو ہے یہ آگئی

ہستہ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زباں
نوعِ انساں قوم ہو میری، وطن میرا جہاں

ہندۂ مومن کا دل ہم دریا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

بقا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
قضا تھی، شکار قضا ہو گئی وہ

ہمسہ میں افسردہ دل ہوں، درِ خورِ محفل نہیں
تُو مرے قابل نہیں ہے، میں ترے قابل نہیں

ہزم ہستی میں ہے سب کو محفلِ آرائی سپند
ہے دل شاعر کو لیکن کُج تنہائی سپند

ہائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آئیاں اپنا
چمن میں آہ! کیا رہتا جو ہو بے گدو رہتا

میلان محبت و شمعِ غربت بھی، وطن بھی ہے
یہ دیرانہ نفس بھی، آشیانہ بھی، چمن بھی ہے

بلبلِ دلی نے بامدحا اس چمن میں آئیاں
ہم نوا ہیں سب عتا دلِ باغِ ہستی کے جہاں

بتایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چمن میں پھر نظر آئے وہ آئیاں مجھ کو

نوائے یمن آج بھی اسکی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز بھی اسکی نواؤں میں ہے

ہاؤ صبا کی موج سے نشوونمائے خار و خس
میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو

بھمکا ہوا راہی میں، بھمکا ہوا راہی تو
منزل ہے کہاں تیری اے لالہء صحرائی!

میاں اس کا منطق سے سلکھا ہوا
لغت کے بھیروں میں الجھا ہوا

جس عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلم نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

منا مجھ کو اسرار مرگ و حیات
کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند

بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
ظلمِ زمان و مکاں توڑ کر

ہنا کیا تری زندگی کا ہے راز
ہزاروں برس سے ہے تو خاک باز

بہشتِ راہ میں دیکھا تو ہو گیا بیتاب
عجب مقام ہے، جی چاہتا ہے جاؤں برس

باقی نکل فخر سے تھا ولولہء حق
ظُروں نے چڑھایا نشءِ خدمتِ سرکار!

پیارے پیارے تو ہے اک مُہرِ نا چیز
فرزین سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ!

بلند بال تھا، لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم بر محبت سے ہے نصیب رہا

ہیلیاں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

میاں میں لکھو توحید آ تو سکتا ہے
جرے دماغ میں مت خانہ ہو تو کیا کہیے

بہت رنگ بدلے پھر بریں نے
خدایا یہ دُنیا جہاں تھی، وہیں ہے

بے معجزہ دُنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیسیا نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!

بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کی کف خاک
روح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکبیر

بہر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رمِ آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیریں کا فسانہ

ہٹایا ایک ہی ابلیس آگ سے ٹوٹنے
ہٹائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس!

بچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
برے پہ اگر فاش کریں قاعدہ شیر

بچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ذرا ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے

بے جرات رندانہ ہر عشق ہے رو بانی
بازو ہے قوی جس کا، وہ عشق یہ الہی

بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسمان
زیر پر آگیا تو یہی آسمان، زمیں!

ہنگ اسرائیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد

بیدار ہوں دل جس کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب



پرانے ہیں یہ ستارے 'فلک' بھی فرسودہ
جہاں وہ چاہے مجھ کو کہ ہوا بھی نوخیز

پاس تھا ناکامی صیاد کا اے ہم صغیر
ورنہ میں اور از کے آتا ایک دانے کے لیے!

پرشِ اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری
ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ 'کیا ہوا' کیونکر ہوا

پھلا پھولا رہے یارب! چمن میری اُمیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ ٹوٹے میں نے پالے ہیں

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

پردہ چہرے سے اٹھا' انجمن آرائی کر
چشمِ مر و مر و انجم کو تماشاں کر

پہلے خود دار تو مانند سکندر ہوئے
پھر جہاں میں ہوس شوکت دارائی کر

پھر باد بہار آئی اقبال غزل خواں ہو
غنچہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند!

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دامن
مجھ کو پھر نغموں پہ آکسانے لگا مرغ چمن

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن

پانی پانی کر معنی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

بیر حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز گفتار واهی

بیرِ حرم نے کہا سن کے مری روئے داد
پنتہ ہے تیری فغاں اب نہ اسے دل میں تھام

بیرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
ست بنیاد بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے!

پنپ سکا نہ خیاباں میں لالہءِ دل سوز
کہ سازِ گار نہیں یہ جہانِ کندم و جو

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع! پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پر نثار کیوں

پروانہ اور ذوقِ تماشاے روشنی
کیزا ذرا سا اور تمنائے روشنی!

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی منہی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن
میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ مری دعا ہو

پناں = نقاب تری جلوہ گاہ ہے
ظاہر پرست محفلِ نو کی نگاہ ہے

پناں درونِ سینہ کہیں راز ہو ترا
اشکِ جگر گداز نہ غماز ہو ترا

پاک رکھ اپنی زباں تمہیدِ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آہد!

پر تو سر کے دم سے ہے اجالا تیرا
سیم سیال ہے پانی ترے دریاؤں کا

پڑھا خمیدہ گانِ دیر پر افسون بیداری
برہمن کو دیا پیغامِ خورشیدِ درخشاں کا

پکاری اس طرح دیوارِ گلشن پر کھڑے ہو کر
چنک اور غنچہ گل! تو موزن ہے گلستاں کا

پابندیِ احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟
گو شعر میں ہے اشکِ کلیمِ ہمدانی

پریشاں ہوں میں مشتِ خاک، لیکن کچھ نہیں کھتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گردِ کدورت ہوں

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

پھرا کرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

پھر بھی اسے ماہ مہیں! میں اور ہوں تو اور ہے
درد جس پہلو میں اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

پروں کو میرے قدرت نے ضیا دی
تجھے اس نے صدائے دل رہا دی

پیام سجدے کا یہ زہر و دم ہوا مجھ کو
جہاں تمام سوا حرم ہوا مجھ کو

پھر آ رکھوں قدم مادر و پدر پہ جہیں
کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو

پاس اگر تو نہیں، شر ہے دیراں تمام
تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاغذ و کو

پھر وہ شراب کھن مجھ کو عطا کر کہ میں
ڈھونڈ رہا ہوں اسے توڑ کے جام و سبب

پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز وجود

پردہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذائیں ہیں تری باد سحر میں

پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی؟
باقی ہے ابھی رنگ مرے خون جگر میں!

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو
کیوں آتش ہے سوز پہ مغرور ہے جگنو

پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل روزِ رور

پرانی سیاست گری خوار ہے
زمین میر و سلطان سے ہزار ہے

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں دار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

پردوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

پہناتا ہوں اطلس کی قبا لالہ و گل کو
کرتا ہوں سرخار کو سوزن کی طرح تیز

پابندی تقدیر کی پابندی احکام!
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خرد مند

پر ہے افکار سے ان مدرسے والوں کا ضمیر
خوب و ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز!

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

پوچھا بھی ہے بے سود، نمازیں بھی ہیں بے سود
قسمت ہے غریبوں کی وہی نالہ و فریاد

پھر ہم کو اسی سینہء روشن میں چھپا لے
اے مر جہاں تاب! نہ کر ہم کو فراموش

پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق

پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چین میں گریبان لالہ چاک نہیں

پانی بھی مسخر ہے، ہوا بھی ہے مسخر
کیا ہو جو نگاہ فلک چیر بدل جائے

پردہء تہذیب میں غارت گری، آدم کشی
کل روا رکھی تھی تم نے، میں روا رکھتا ہوں آج!

پرورش دل کی اگر مد نظر ہے تجھ کو
مرد مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس!



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشتی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا پائدار ہو گا

تمہارے پیای نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی

تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی

تو نے دیکھا ہے کبھی اس دیدہ مہرت کہ گل
ہو کے پیدا خاک سے رنگیں قبا کیونکر ہوا

ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

تمیز لالہ و گل سے ہے تالہ بلبل
جہاں میں وا نہ کوئی چشم امتیاز کرے

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ 'خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

تمام مضمون مرے پرانے کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

تو جو بجلی ہے تو یہ چشمک پنہاں کب تک
بے حجابانہ برے دل سے شناسائی کر

تو جنس محبت ہے، قیمت ہے گراں تیری
کم مایہ ہیں سوداگر، اس دلیس میں ارزاں ہو

تو چھا چھا کے نہ رکھ اسے، ترا آئندہ ہے وہ آئندہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئندہ ساز میں

یہ دام بھی غزل آشنا رہے طائر ان چمن تو کیا
جو فغاں دلوں میں تڑپ رہی تھی، نوائے زیر لبی رہی

ترا جلوہ کچھ بھی تسلی دل تا صبور نہ کر سکا
وہی گریہ سحری رہا، وہی آہ نیم نشیبی رہی

تو نے یہ کیا غضب کیا، مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینہ کائنات میں!

ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
ہٹا، کیا تو مرا ساقی نہیں ہے

تو مری رات کو متاب سے محروم نہ رکھ
ترے پینے میں ہے ماہ تمام اے ساقی!

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گم محبت، وہ نگہ کا تازیانہ

تری ہندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا، نہ شکایت زمانہ

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناواں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی

تیرے بھی صنم خانے ' میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی ' دونوں کے صنم فانی

تو کف خاک و بے اصر ' میں کف خاک و خود مگر
کشت وجود کے لیے آب رواں ہے تو کہ میں

تو ابھی رہ گزر میں ہے ' قید مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر ' پارس و شام سے گزر

تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں
ذہنڈ چکا میں موج موج ' دیکھ چکا صدف صدف

ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاک زندہ ہے تو ' تابع ستارہ نہیں

تری زندگی اسی سے ' تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی ' نہ رہی تو روسیاهی

تو ہما کا ہے شکاری ' ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہان مرغ و ماہی

تو اے اسیر مکان! لا مکاں سے دور نہیں
وہ جلوہ گاہ ترے خاک واں سے دور نہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم
مگر اس عہد میں ممکن نہیں ہے چوب کلیم

حسی زندگی سے نہیں یہ فضا میں
یساں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

توڑ ڈالے گی یہی خاک ظلم شب و روز
مگرچہ ابھی ہوئی تقدیر کے چپچاک میں ہے

تو ہے بھر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے
وگرنہ آگ ہے مومن جہاں خس و خاشاک

سلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہاں تازہ مری آہ صبح گاہ میں ہے

ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
حرفِ محبتِ ترکی نہ تازی

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
تیرے موافق نہیں خائفی سلسلہ

تیرے نفس سے ہوئی آتش گل تیز تر
مرغِ چمن! ہے یہی تیری نوا کا صلہ

تھا جہاں مدرسہ شیریں و شاہنشاہی
آج ان خانہوں میں ہے فقطِ روباہی

تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشان
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں

تیری عمر رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کمن
وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خمیرِ زن

تو شناسائے خراشِ عقدہ مشکل نہیں
اے گلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دل نہیں

تو زیبا شاخ سے تجھ کو مرا آئیں نہیں
یہ نظرِ غیر از نگاہِ چشمِ صورتِ بن نہیں

تھی ہر اک جنبش نشان لطف جاں میرے لیے
حرف بے مطلب تھی خود میری زباں میرے لیے

تھا سراپا روح تو، بزم سخن چکر ترا
زیب محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا

تیرے فردوس تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار

تجھے چنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے؟
خشت و گل کی فکر ہوتی ہے مکاں کے واسطے؟

تم بتا دو، راز جو اس گنبد گرداں میں ہے
موت اک چہچتا ہوا کاٹنا دل انساں میں ہے

تھا یہ بھی کوئی باز کسی بے نیاز کا
احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

تو اگر زحمت کش ہنگامہ عالم نہیں
یہ فضیلت کا نشان اے نیر اعظم نہیں

تھی کبھی موج صبا گوارہ جنباں ترا
نام تھا صحن گلستاں میں گل خنداں ترا

تیرے احساں کا نسیم صبح کو اقرار تھا
باغ تیرے دم سے گویا طبلہ عطار تھا

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا
ہے نہاں تیری اداسی میں دل ویراں مرا

تو اگر اپنی حقیقت سے خبر دار رہے
نہ یہ روز رہے پھر نہ یہ کار رہے

تیرا آئینہ تھا آزاد غبار آرزو
آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرار آرزو

تیری صورت گاہ گریاں گاہ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں، طفل ناداں میں بھی ہوں

تاب گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا
خامشی کہتے ہیں جس کو، ہے سخن تصویر کا

تو طلب خو ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے
چاندنی ہے نور تیرا، عشق میرا نور ہے

نمک کوئی گرا ہے متاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیر بن میں

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشم محفل میں ہے اب تک کیف صبا کے امیر

تھی زبان داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
سلی معنی وہاں بے پردہ یاں محفل میں ہے

تھی نہ شاید کچھ کشش ایسی وطن کی خاک میں
وہ مہ کامل ہوا پنہاں دکن کی خاک میں

تجھے جس نے چمک گل کو مک دی
اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی

تری لہ کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

تجھ سے گریباں مرا مطلع صبح نشور
تجھ سے مرے سینے میں آتش 'اللہ حق'

تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو

تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ
اپنے لیے لا مکاں، میرے لیے چار سوا!

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت ہندۂ مزدور کے اوقات

تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام

تیرا جلال و جمال، مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جلیل، تو بھی جلیل و جلیل

تجھ سے ہوا آشکار ہندۂ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز

تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
ہندہ ہے کو چہ گردا بھی، خواجہ بلند بام ابھی

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم ٹھیل بے رطوب

تاج پسایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
کس کی عریانی نے حشی ہے اسے زریں قبا

تیرے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ہیں ایرانی
لو مجھ کو رلائی ہے جوانوں کی تن آسانی

تو شاخ سے کیوں پھوٹا، میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
اک جذبہء پیدائی، اک لذت یکتائی!

ترے آسمانوں کے ستاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

تری آگ اس خاک داں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے، تو جہاں سے نہیں

تو ہے فاتح عالم خوب و زشت
تجھے کیا مٹاؤں تری سرنوشت

تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے معضلی

تقدیر کے قاضی کا یہ کوی ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی
ویرانیِ جنت کے تصور سے ہیں غمِ ناک؟

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
میں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

'تن بہ تقدیر' ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

تھا جو 'نا خوب' بہترین وہی 'خوب' ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

تو معنی و انجم، نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

تغ و تفنگ دستِ مسلمان میں ہے کہاں
ہو بھی، تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

تعلیم اس کو چاہیے ترکِ جماد کی
دنیا کو جس کے پنجہء خونیں سے ہو خطر

تاریخ ام کا یہ پیام ازلی ہے
'صاحبِ نظراں! تشنہ قوت ہے خطرِ ناک'

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا

تخیلات کی دنیا غریب ہے، لیکن
غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا

تری نگاہ میں ثبات نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثبات نہیں وجودِ ترا

توڑا نہیں جادو مری بکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مکر جانے کی جرات تو مکرِ جا!

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

تیری متاعِ حیات علم و ہنر کا سرور
میری متاعِ حیات ایک دلِ نا صبور!

تفریقِ ملت حکمتِ افریغ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشین سے اترتا ہے بہت جلد

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند

تو رہ نور و شوق ہے، منزل نہ کر قبول
لیلی بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

تو مری نظر میں کافر، میں تری نظر میں کافر
ترا دیں نفس شہری، مرا دیں نفس گدازی

ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نظر نہ آیا
کہ سکھا سکے خرد کو رہ و رسم کار سازی

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

ترا یہ حال کہ پامال و درد مند ہے تو
مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج

ترا نیاز نہیں آشنائے باز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک

تاثر غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجی لے

ترے بلند مناصب کی خیر ہو، یارب!
کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

ترکان 'بغا پیشہ' کے پنچے سے نکل کر
بچارے ہیں تندیب کے پھندے میں گرفتار!

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملانم تو جدھر چاہے، اسے پھیر

تاثر میں اکیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر!

ترا پیشہ ہے سفاکی، مرا پیشہ ہے سفاکی
کہ ہم قزاق ہیں دونوں، تو میدانی، میں دریائی!

تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگ جاں پنچہ یسود میں ہے

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے!

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گویا ہے یگانہ

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالم فاضل پہ رہے ہیں اپنا دین ایمان

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں ظلم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مرے ہوں مات

تقدیر ام کیا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام خس و خاشاک

ترے دین و ادب سے آرہی ہے بڑے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ میخانہ

ج

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

جینا وہ کیا جو ہو نفس غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے

جمع کر خرمن تو پہلے دانہ دانہ چن کے تو
آبی نکلے گی کوئی حلی جلانے کے لیے

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٹی! کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

جو موج دریا لگی یہ کہنے 'سفر سے قائم ہے شان میری
گھر یہ بلا صدف نشینی ہے مجھ کو سامان آہدہ کا

جو ہے بیدار انساں میں وہ گہری فیند سوتا ہے
شجر میں 'پھول میں' 'دیواں میں' 'پتھر میں' ستارے میں

جو میں سر بجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

جلال پادشاهی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جب عشق سکھاتا ہے آدلب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

جب سے چمن چھٹا ہے، یہ حال ہو گیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے

جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں
اس چمن میں کوئی لطف نغمہ پیرائی نہیں

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

جو ہے پردوں میں پنہاں، چشم بیاد دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے

جو مری ہستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
یہ چمک وہ ہے جہیں جس سے تری محروم ہے

جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر

جوانوں کو سوز جگر حش دے
مرا عشق میری نظر حش دے

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

جرات ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا، ملکِ خدا تنگ نہیں ہے!

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے میگانہء مضراب

جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا، وہ مگر کیا

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے!

جہاں میں دانش و ہنش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اس موت کے پھندے میں گرفتار نہیں میں

جس خاک کے ضمیر میں ہے آتش چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاک ارجند

بج

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا

چمن افروز ہے سیاد میری خوش نوائی تک
رہی چلی کی بے تابی سو میرے آشیاں تک ہے

چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل!
یہاں کی زندگی پابندی رسمِ فغاں تک ہے

چمن میں گھٹنوں سے غنچے کھتا تھا اتنا میدرد کیوں ہے انساں
تری نگاہوں میں ہے تبسمِ شکستہ ہوتا مرے سب کو کا

چمک تیری عیاں چلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں

چتے کا جگر چاہیے، شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرہنگ

چشمہء کوہ کو دی شورش قلزم میں نے
اور پرندوں کو کیا محو ترنم میں نے

چھپا کر آتش میں چلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بنیں آشیانوں میں

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گمن سے، آیا کبھی گمن میں

چمک طشی مجھے، آواز تجھ کو
دیا ہے سوز مجھ کو، ساز تجھ کو

چشمہء کہسار میں، دریا کی آزادی میں حسن
شہر میں، صحرا میں، ویرانے میں، آبادی میں حسن

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

چشم فرانسس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں

چمک اس کی جلی میں، تارے میں ہے
یہ چاندی میں، سونے میں، پارے میں ہے

چشمِ پیرانِ کمن میں زندگانی کا فروغ
نوجواں تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب

چمن میں تربیتِ غنچہ ہو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریکِ نسیم

چاہے تو کرے کبے کو آتشِ کدہٗ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرگی صنم آباد

چاہیے خانہٗ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے گی مجھ کو
کہ لیاڑی سے دگرگوں ہے مقامِ محمود

چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
جب تک نہ انھیں خواب سے مردانِ گراں خواب

چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
گہ ہیں آبِ دل کے تمام یک دانہ

ح

حسن کامل ہی نہ ہو اس بے حجابی کا سبب
وہ جو تھا پردوں میں پنہاں، خود نما کیونکر ہوا

حسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو
شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو

حسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
تو نے فریاد! نہ کھودا کبھی ویرانہ دل

حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چمک ہے

حسن، کوہستان کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضوگستری، شب کی یہ پوشی میں ہے

حسن ہے پروا کو اپنی ہے نغالی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

حسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ ہے تاب ہے
زندگی اس کی مثال ماہی ہے آب ہے

حسن تیرا جب ہوا بام فلک سے جلوہ گر
آنکھ سے اڑتا ہے یک دم خواب کی مے کا اثر

حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب ہوئی اپنی
مکان نکلا ہمارے خانہء دل کے کینوں میں

حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
اتنی نادانی جہاں کے سارے داناؤں میں تھی

حرم کے دل میں سوز آرزو پیدا نہیں ہوتا
کہ پیدائی تری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی

حجاب اکسیر ہے آوارہ کوئے محبت کو
مری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیر پیوندی

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ ہمہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

حد ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری

حادثہ وہ جو ابھی پردہٴ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینہ ادراک میں ہے

حقیقتِ لدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کونی و شامی

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

حیراں ہے باطنی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
روی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں

حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مرد قلندر نے کیا رازِ خودی فاش!

حرف اس قوم کا ہے سوز، عمل زار و زلوں
ہو گیا پختہ عقائد سے تھی جس کا ضمیر!

حقیقت ازلی ہے رقامت اقوام
نگاہ پیر فلک میں نہ میں عزیز، نہ تو

حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایان خانقاہی
انہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگ آستانہ

خ

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، ہوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ ہوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے 'بتا تیری رضا کیا ہے'

خودی سے اس ظلم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

خداوند! یہ ترے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

خودی کی شوقی و تندہی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آہو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

خودی میں گم ہے خدائی! تلاش کر غافل!
یہی ہے تیرے لیے اب صلاح کار کی راہ

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث زندانہ

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں، میری انتہا کیا ہے

خاک کے ذہیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانہ دل

خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
تھی اسی فوہاد سے شاید مری شمشیر بھی

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

خودی کیا ہے، راز درون حیات
خودی کیا ہے، بیداری کائنات

خودی جلوہ بہ مت و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

خودی کا نشین ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
زمین اس کی صید، آسمان اس کا صید

خیابانوں سے ہے پرہیز لازم
ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ

خود بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق!

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کرامی

خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

خودی سے مرد خود آگاہ کا بہال و جلال
کہ یہ کتاب ہے، باقی تمام تفسیریں

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات

خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیش نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطان جملہ موجودات

خبر نہی کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بیہانہ

خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
حرام آئی ہے اس مرد مجاہد پر زرہ پوشی



دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر

دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب!
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی تجھ گیا ہو

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسار

دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
پھر یہ وعدہ حشر کا صبر آزما کیونکر ہوا

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی
دل ہر ذرہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی

دل کی آزادی شمنشاہی، شکم سلمان موت
فیصلہ تیرا ترے باتھوں میں ہے دل یا شکم!

دل سوز سے خالی ہے، نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

دل دینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
میں کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

دل میں ہو سوز محبت کا وہ چھوٹا سا شرر
نور سے جس کے ملے راز حقیقت کی خبر

دیا یہ حکم صحرا میں چلو اے قافلے والو!
چمکنے کو ہے جگنو میں کے ہر ذرہ میلاں کا

دکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

دیار بند نے جس دم مری صدا نہ سنی
بسایا خطہ جاپان و ملک چیں میں نے

دست قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عریاں کیا!
تجھ کو خاک تیرہ کے فانوس میں پنہاں کیا

دیکھا بھی دکھایا بھی، سنایا بھی سنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں، نہ خبر میں!

دو عالم سے کرتی ہے ہیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

دہقان اگر نہ ہو تن آساں
بر دانہ ہے صد ہزار دانہ

دلوں میں ولولہء انقلاب ہے پیدا
قریب آگنی شاید جہان ہیر کی موت!

دور حاضر ہے حقیقت میں وہی عہد قدیم
اہل سجادہ یا اہل سیاست ہیں امام

دست فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزد کی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

دنیا کو ہے پھر معرکہء روح و بدن پیش
تمذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

دراج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں
حیرت میں ہے صیاد، یہ شاہیں ہے کہ دراج!

ذ

ذرا سی بات تھی 'اندیشہء عجم نے اسے
بوھا دیا ہے فقط زیب داستان کے لیے

ذرا سی چیز ہے 'اس پر غرور' کیا کہنا
یہ عقل اور یہ سمجھ 'شعور' کیا کہنا!

ذرا دیکھ کر اس کو جو کچھ ہو رہا ہے 'ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا! عکس کی داستانوں میں

ذره میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا
آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا



رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزند کہستاں! اپنی خودی پہچان

رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
زلا عشق ہے میرا 'زالے میرے نالے ہیں

راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محروم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

ریاض ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقت گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیال ہے رنگ وہ کا

روز حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر

رہے ہیں، اور بینِ فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یہ بیضا

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحر بے کراں کے لیے!

رائی زور خودی سے پرمت
پرمت ضعف خودی سے رائی

راز حرم سے شاید اقبال باخبر ہے
ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

رہے نہ ایک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو

رلائی ہے تجھ کو جدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

رہنے دے جستجو میں خیال بلند کو
حیرت میں چھوڑ دیدہء حکمت پسند کو

رخصت اے بزم جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں
آہ! اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستان! مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

ری حقیقت عالم کی جستجو مجھ کو
دکھایا اوج خیال فلک نشیں میں نے

ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو

روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنا میں
خیے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں

رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بھوں کی عمارات

راز ہے، راز ہے تقدیر جہاں نگ و ساز
جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلمان سے ہے پوشیدہ مسلمان کا مقام

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

روح اگر ہے تری رنج غلامی سے زار
تیرے ہنر کا جہاں دیر و طواف و سجود

روز ازل سے ہے تو منزل شاہین و چرخ
لالہ و گل سے تھی، نغمہ بلبلی سے پاک

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یسودی کی شرارت کا جواب؟

رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یادگار کمالات احمد و محمود

رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
ہر چند کہ مشہور نہیں ان کے کرامات



زندگی انسان کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موج ہے 'رم کے سوا کچھ بھی نہیں

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے 'گویا مزار ہے حرف آرزو کا

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا 'عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا 'وہ راز اب آشکار ہو گا

زندگی کی رہ میں چل 'لیکن ذرا چ چ کے چل
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے

زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاک راہ کو میں نے بتایا راز الوندی

زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں

زمرہ سی پوشاک پنے ہوئے
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے

زیر و بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے
آرزو ہے کچھ اسی چشم تماشا کی مجھے

زمین کو تھا دعویٰ کہ میں آسمان ہوں
مکان کہہ رہا تھا کہ میں لامکان ہوں

زحمت جنگی دریا سے گریزاں ہوں میں
سعادت بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں

زندگانی ہے تری آزاد قید امتیاز
تیری آنکھوں پر ہویدا ہے مگر قدرت کا راز

زمین کیا آسمان بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآں کو چلیپاں کر دیا تو نے!

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل!
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

زندگی کی رہ میں سرگرداں ہے تو، حیراں ہوں میں
تو فروزاں محفل ہستی میں ہے، سوزاں ہوں میں

زندگی وہ ہے کہ جو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے، غفلت ہے، سرمستی ہے، بے ہشی ہے یہ

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے، ساز بدلے گئے

زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نکلیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں

زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی نپاکی

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط اک مسئلہ علم کلام

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری، قصہء جدید و قدیم

زندگانی ہے صدف، قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گھر کر نہ سکے

زمانہ صبح ازل سے رہا ہے نحو سفر
مگر یہ اس کی جگہ و دو سے ہو سکا نہ کمن

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور!

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے، علم ہے سوز دماغ

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے

زلزلے سے کوہ و در اڑتے ہیں مانند سحاب
زلزلے سے وادیوں میں تازہ چشموں کی نمود

زندگی کی رہ میں سرگرداں ہے تو حیراں ہوں میں
تو فروزاں محفل ہستی میں ہے سوزاں ہوں میں

زندگی وہ ہے کہ جو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے غفلت ہے سرمستی ہے بے ہوشی ہے یہ

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

زمانے میں جھوٹا ہے اس کا تجلیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں

زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ہپاکی

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط اک مسئلہ علم کلام

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری، قصہ جدید و قدیم

زندگانی ہے صدف، قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

زمانہ صبح ازل سے رہا ہے محو سفر
مگر یہ اس کی جگہ و دو سے ہو سکا نہ کہن

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور!

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے، علم ہے سوز دماغ

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے

زلزلے سے کوہ و در اڑتے ہیں مانند سحاب
زلزلے سے وادیوں میں تازہ چشموں کی نمود

س

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بھرت کی زد میں ہے گردوں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

ستم ہو کہ ہو وعدہ بے جاہلی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں

خن میں سوز الہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کسی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

سکوں تا آشنا رہنا اسے سامان ہستی ہے
 تڑپ کس دل کی یارب چھپ کے آئینھی ہے پارے میں

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عمدہ صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا

سعی یتیم ہے ترازوئے کم و کیف حیات
 تیری میزاں ہے شمار سحر و شام ابھی

سامان کی محبت میں مضمر ہے تن آسانی
 مقصد ہے اگر منزل غارت گر سامان ہو

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
 ٹہلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

سینہ روشن ہو تو ہے سوز سخن عین حیات
 ہو نہ روشن تو سخن مرگ دوام اے ساقی

سا سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
 غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زیوں

سکھا دیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانگی
فقیہ شر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ ازاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہء سیماں

سوال مے نہ کروں ساقی فرحگ سے میں
کہ یہ طریقہ رندان پاک باز نہیں

سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے ہندا

سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا یاں تو اک قرب فراق انگیز ہے

سنگ ترمٹ ہے مرا گردیدہٗ تقریر دیکھ
چشم باطن سے ذرا اس لوح کی تحریر دیکھ

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمن باطل جلا دے شعلہٗ آواز سے

سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

نے کوئی مری غمت کی داستاں مجھ سے
بھلایا قصہء پیاں اولیں میں نے

سلیا ہند میں اگر سرودِ ربانی
پسند کی کبھی یوہاں کی سرزمین میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گزار دیں میں نے

سایہ دیا شجر کو 'پرداز دی ہوا کو
پانی کو دی روانی' موجوں کو بے کلی دی

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے مت ہو گئے پرانے

سوئی پڑی ہوئی ہے مت سے دل کی بستی
آک نیا شوالا اس دیں میں بنا دیں

ساکنانِ صحن گلشن کی ہم آوازی میں ہے
نخنے نخنے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے

سکوتِ شام میں محوِ سرود ہے راوی
نہ پوچھ بھجھ سے جو ہے کیفیتِ مرے دل کی

سبکِ روی میں ہے مثلِ نگاہِ یہ کشتی
نکل کے حلقہءِ حدِ نظر سے دور صحنی

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مر کی صورتِ نظام ہے تیرا

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کسں تم کو نظر آئے، منا دو

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ - نہ پیر کلیسا کی پیری

سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات
اُھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات

سبکِ اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں
پھاڑ اس کی ضریوں سے ریگِ رواں

سفرِ اس کا انجام و آغاز ہے
یہی اس کی تقویم کا راز ہے

سنا ہے، خاک سے تیری نمود ہے، لیکن
تری سرشت میں ہے کوکبی و مہ تابی

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے

سر آدم سے مجھے آگاہ کر
خاک ذرے کو مرواہ کرا

سوچا بھی ہے اے مرد مسلمان کبھی تو نے
کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دار

سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے ہیکانہ ہو تو کیا کہیے

ستارگان فضا ہائے نیلگوں کی طرح
تخیلات بھی ہیں تابع طلوع و غروب

سرچشمہء زندگی ہوا خشک
باقی ہے کہاں مئے شہانہ!

سینے میں اگر نہ ہو دل گرم
رہ جاتی ہے زندگی میں خامی

سورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دنیا ہے عجب چیز، کبھی صبح کبھی شام

سینے میں رہے راز بلوکانہ تو بہر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر

سخت باریک ہیں امراض ام کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے میاں کوتاہی

سینہء افلاک سے اٹھتی ہے آہ سوزناک
مرد حق ہوتا ہے جب مرعوب سلطان و امیر

سمجھتا ہے جو موت خواب لحد کو
نماں اس کی تعمیر میں ہے خرابی

سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دو شالہ

ش

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں مگر
پردم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ افتاد

شبنم کی طرح پھولوں پہ رو' اور چمن سے چل
اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے

شوخی سی ہے سوال مکرر میں اے کلیم!
شرط رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوق تکلم کی
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے میں

شیوہ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی
تو ہے زہاری مت خاندۂ ایام ابھی

شکایت ہے مجھے یارب! خداوند ان مکتب سے
سبق شاہیں چوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

شاید مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہء دل گل شیراز پر

شورش سے بھاگتا ہوں، دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

شرر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا

شام کو آواز چشموں کی سلاقی ہے مجھے
صبح فرش سبز سے کوئل جگاتی ہے مجھے

شوق کس کا بزمہ زاروں میں پھراتا ہے مجھے
اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے ؟

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے شر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدمی کو

شراب بے خودی سے تافلک پرواز ہے میری
تھکت رنگ سے سیکھا ہے میں نے فن کے یار بنا

شیخ کتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روح انسانی

شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور بنا

شمع اک شعلہ ہے لیکن تو سرپا نور ہے
آہ! اس محفل میں یہ عریاں ہے تو مستور ہے

تکلف ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے!
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے!

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

شراب کسں پھر پلا سا قیا
وی جام گردش میں لا سا قیا!

شہید محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی

شایاں ہے مجھے غم جدائی
یہ خاک ہے محرم جدائی

شری ہو، دہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانند ہماں پہنچتے ہیں کبے کے برہمن

شعلہ ہے ترے جنوں کا ہے سوز
سن مجھ سے یہ نکتہء دل افروز

شاید کہ زمیں ہے یہ کسی لور جہاں کی
تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
تقدیر نہیں تابع منطق نظر آتی

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا بھر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!

شعلے سے ٹوٹ کے مثل شرر آوارہ نہ رہ
کر کسی سینہء پر سوز میں خلوت کی تلاش!

شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا مت
جس کو کر سکتے ہیں، جب چاہیں پجاری پاش پاش

ص

صبح غرمت میں اور چمکا
ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لالہ میں ہے

صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
تکوار ہے تیزی میں صہائے مسلمانی!

صاحب ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے
گا ہے گا ہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند
کہ بھٹے نہ پھریں قلمت شب میں راہی

صبح اک گیت سرپا ہے تری سلطوت کا
زیر خورشید نشاں تک بھی نہیں قلمت کا

صفائے دل کوہ کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے او ناداں حنا تو نے

صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا
ہرات و کابل و غزنی کا سبزہ نورس

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول

صلہ تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پسنائی!

ض

ضمیر مغرب ہے تاجرانہ، ضمیر مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لکھ لکھ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ

ضمیر ہمد خاکی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا کاشانہ

ضرمت محکم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش
حاکیت کا بت سنگیں دل و آئینہ رو

ضمیر جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے

ضمیر لالہ مئے لعل سے ہوا لبریز
اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز

ضمیر پاک و نگاہ بلند و مستی شوق
نہ مال و دولت قاروں نہ فکر افلاطوں

ط

طریق اہل دنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شان درویشی

طشت گردوں میں نکلتا ہے شفق کا خون تاب
نشر قدرت نے کیا کھولی ہے فصہ آفتاب

ظلم ظلمات شب سورۃ و النور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاج زر شمع شبستاں کا

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انہی کے جگر میں

ظلم یود و عدم، جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پہ سخن

ظ

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
 سود ایک لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

ظلمتِ کدۂ خاک پہ شاکر نہیں رہتا
 ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
 ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی



عروج آدم خاکی سے انجم سمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا ستارا مہ کامل نہ بن جائے

عجب واعظ کی دیں داری ہے یارب!
عداوت ہے اسے سارے جہاں سے

عاج درد میں بھی درد کی لذت پہ مرتا ہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے، نوک سوزن سے نکالے ہیں

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست
دائرے محرومی! خزف چین لب ساحل ہوں میں

عزت ہے محبت کی قائم اسے قیس! حجاب محمل سے
محمل جو گیا عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، لیلیٰ بھی گئی

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

عشق بھی ہو حجاب میں 'حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

عشق کی تیغ جگر دار ازالی کس نے
لم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

عالم آب و خاک و باد! سرعیاں ہے تو کہ میں
وہ جو نظر سے ہے نماں 'اس کا جہاں ہے تو کہ میں

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و ہم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دم بہ دم

عشق 'بتاں سے ہاتھ اٹھا' اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کر تلف

عقل گو آستیاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

عروسِ لالہ! مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں

مشقِ تری انتہا، عشقِ مری انتہا
تو بھی ابھی نا تمام، میں بھی ابھی نا تمام

علم کی حد سے پرے، بندۂ مومن کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے، نعمتِ دیدار بھی ہے

عزیزِ تر ہے متاعِ امیر و سلطان سے
وہ شعر جس میں ہو جلی کا سوز و براقی

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ

علم کا موجود، اور فقر کا موجود اور
اشد ان لا الہ، اشد ان لا الہ!

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا
بھولے بھٹے کی رہنما ہوں میں

علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے
تو خدا جو خدا نما ہوں میں

علم کی انتہا ہے ہے تالی
اس مرض کی مگر دوا ہوں میں

عرض مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

عرش کا ہے کبھی کبھے کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانہ دل

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ غل ہرا ہوتا ہے

علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود!
گل کی پتی میں نظر آتا ہے راز ہست و بود

غ

غریب شہر ہوں میں، سن تو لے مری فریاد
کہ تیرے سینے میں بھی ہوں قیامتیں آباد

غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات!

غرض نشاط ہے شغل شراب سے جن کی
حلال چیز کو گویا حرام کرتے ہیں

غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا

غضب ہے، مین کرم میں خمیل ہے فطرت
کہ لعل ناب میں آتش تو ہے شرارہ نہیں

غوطہ زن دریائے خاموشی میں ہے موج ہوا
ہاں، مگر اک دور سے آتی ہے آواز درا

غم خانہء جہاں میں جو تیری ضیا نہ ہو
اس تفتہ دل کا نخل تمنا ہرا نہ ہو

غرض - اس قدر یہ نظارہ تھا پیارا
کہ نگارگی ہو سراپا نظارا

غرمت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

خدا وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو گداگر

ف

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنک کا ہر قریب ہے فردوس کی مانند

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یاد امن یزداں چاک!

فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روش ہندہ پروری کیا ہے

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے
قدم اٹھا یہ مقام آسمان سے دور نہیں

فقیہ شہر کی تحقیر! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

فرشتہ تھا اک، عشق تھا نام جس کا
کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا

فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تو نے

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تمہارا
بڑی جناب تری، فیض عام ہے تمہارا

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرف تمنا، جسے کہہ نہ سکیں رو برو

فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور

فریب نظر ہے سکون و ثبات
ترپتا ہے ہر ذرہ کائنات

فطرت مری مانند نسیم سحری ہے
رفتار ہے میری کبھی آہستہ، کبھی تیز

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

فیض فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں عشا
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہ خفاش

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ، وہی آتش

فطرت کو دکھایا بھی ہے، دیکھا بھی ہے تو نے
آئینہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی!

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے تمہائی
یا بندہ صحرائی یا مرد کہستانی

فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشر پہ بھجور
وہ مردہ کہ تھا باگ سرافیل کا محتاج

فلک کو کیا خبر یہ خاکداں کس کا نشیمن ہے
غرض انجم سے ہے کس کے شبستاں کی تمہائی

ق

قماری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بتا ہے مسلمان

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
زری بڑائی ہے، خوئی ہے اور کیا تجھ میں

قائم یہ عضروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
غربت کے غم کدے کو وطن جانتا ہوں میں

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے، خدائی!

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیا ہیں دست و پائے قوم

قطرۂ خون جگر سل کو مٹاتا ہے دل
خون جگر سے صدا سوز و سرور و سرود

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بچارے دو رکعت کے امام!

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رفتار

قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ



کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

کی ترک تک و دو قطرے نے تو آبروئے گوہر بھی ملی
آوارگی فطرت بھی گئی اور کشمکش دریا بھی گئی

کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تری اگر
ہر رہ گزر میں نقش کف پائے یار دیکھ

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھنک لازوال ہو
یارب! وہ درد جس کی ککک لازوال ہو!

کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی

کیا کموں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا
اور اسیر حلقہء دام ہوا کیونکر ہوا

کموں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
مرے بازار کی رونق ہی سودائے زیاں تک ہے

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چوہوں میں

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہل محفل
چراغ سحر ہوں، ننھا دچاہتا ہوں

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جس میں خواہیدہ ہو تمنا
الہی تیرا جہان کیا ہے، نگار خانہ ہے آرزو کا

کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری
تو نغمہء رنگیں ہے، ہر گوش پہ عریاں ہو

کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں، غم، منزل نہ بن جائے

کسے خبر ہے کہ ہنگامہء نشور ہے کیا
تری نگاہ کی گردش ہے میری رستا خیز

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوائے دل نوازی

کارواں تھک کر فضا کے بیچ و خم میں رہ گیا
مرو ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھتا تھا میں

کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں گرم سیر
شانہء روزگار پر بارگراں ہے تو کہ میں

کوہ شگاف تیری ضرب، تجھ سے کشادہ شرق و غرب
تغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گزر

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا پادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سردامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

کب تک رہے محکومی انجم میں مری خاک
یا کس نہیں، یا گردش افلاک نہیں ہے

کافر ہے مسلمان تو نہ شای نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شای

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الہی

کمال ترک نہیں آب و گل سے مجبوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری

کسے نہیں ہے تمنائے سروری، لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے!

کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہ نسیم سحر
اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ

کوئی بتائے مجھے یہ غیب ہے کہ حضور
سب آشنا ہیں یہاں، ایک میں ہوں بیگانہ

کیا دہدیہء نادر، کیا شوکت تیوری
ہو جاتے ہیں سب دفتر غرق مے ناب آخر

کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی
یہ بے سواوی، یہ کم نگاہی!

بکھی حیرت، بکھی مستی، بکھی آہ سحر گاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا درد مجبوری

کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں ورنہ
نہ تھے ترکان عثمانی سے کم تر کان تیوری

کرے گی داور محشر کو شرمسار اک روز
کتاب صوفی و ملا کی سادہ اور اراق

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

کبھی صحرا، کبھی گلزار ہے مسکن میرا
شہر و دیوانہ مرا، بحر مرا، بن میرا

کیے ہیں فاش رموز قلندری میں نے
کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد

کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی
گستاخ ہے، کرتا ہے فطرت کی حنا بندی

کس کو معلوم ہے ہنگامہ فردا کا مقام
مسجد و مکتب و میخانہ ہیں مدت سے خموش

کر ببل و طاؤس کی تقلید سے توپ
ببل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ!

کمال جوش جنوں میں رہا میں گرم طواف
خدا کا شکر، سلامت رہا حرم غلاف

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
سج خلوت خانہ، قدرت ہے کاشانہ مرا

کسی وادی میں جو منظور ہو سوتا مجھ کو
ہزہ کوہ ہے مہمل کا پھونکا مجھ کو

کیا وہاں بھلی بھی ہے، دہقاں بھی ہے، خرمن بھی ہے؟
 قافلے والے بھی ہیں، اندیشے رہزن بھی ہے؟

کیا جنم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟
 آگ کے شعلوں میں پنہاں مقصد تادیب ہے؟

کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا
 پھونکا ہوا ہے کیا تری برق نگاہ کا؟

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
 روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سخر نما ہو

کس قدر لذت کشود عقدہ مشکل میں ہے
 لطف صد حاصل ہماری سعی بے حاصل میں ہے

کس زباں سے اے گل پر مردہ تجھ کو گل کموں
 نس طرح تجھ کو تمنائے دل بلبیل کموں

کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
 مے گرگم خم شام میں تو نے ڈالی

کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
 گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے

کنوئیں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل! جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے

کشتیۂ عزالت ہوں! آبادی میں گھبراتا ہوں میں
شر سے سودا کی شدت میں نکل جاتا ہوں میں

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن زباں
بے خزاں کا رنگ بھی وجہ قیام گلستاں

کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہء سخت جاں!

کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان
مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات!

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے واردات

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر

کون لایا کھینچ کر پچھتم سے باد ساز گار
خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نور آفتاب؟

کس نے بھردی موتیوں سے خورشید، گندم کی بیج
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوں انقلاب؟

کرن چاند میں ہے، شرر سنگ میں
یہ بے رنگ ہے ذوب کر رنگ میں

کھول آئندہ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

کار دنیا میں رہا جاتا ہوں میں
ٹھوکر میں اس راہ میں کھاتا ہوں میں

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات

کیا میں نے اس خاک واں سے کنارہ
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی تمہائی

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرد
جاتا ہے جدھر ہمدرد حق، تو بھی ادھر جا!

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
خوروں کو شکایت ہے، کم آمیز ہے مومن

کھویا نہ جا صنم کدے کائنات میں
محفل گداز! گرمی محفل نہ کر قبول

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو یائے گل کا سراغ!

کامل وہی ہے رندی کے فن میں
مستی ہے جس کی بے منت تاک

کوئی کہتا ہے نہیں ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہے
کیا خبر، ہے یا نہیں ہے، تیری دنیا کا وجود!

کھل تو جاتا ہے مغنی کے ہم و زیر سے دل
نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود!

کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
دستور نیا، اور نئے دور کا آغاز

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
معموں کو ماں و دولت کا بناتا ہے امیں

کما تصویر نے تصویر گر سے
نمائش ہے مری تیرے ہنر سے

کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پسنانی



گزر بہت دور نہ دیکھنا وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دکھ

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بہاؤں میں
کہ شاہین کے لیے ذلت ہے کار آشاں ہمدی

گل تبسم کہ رہا تھا زندگانی کو مگر
شمع بولی 'گریہ' غم کے سوا کچھ بھی نہیں

گیا ہے تقلید کا زمانہ 'مجاز رخت سفر اٹھائے'
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے گفتگو کا

گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
نے گا سارا جہان میخانہ 'ہر کوئی ہاں خوار ہو گا'

گیسوائے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر
ہوش و خمر و شکار کر 'قلب و نظر شکار کر'

گرچہ ہے دلکشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طارک بلند بال' دانہ و دام سے گزر

گلا تو کھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کمال سے آئے صدا' 'لا الہ الا اللہ'

گراں بہا ہے تو حفظ خودی سے ہے درنہ
گمر میں آب گمر کے سوا کچھ اور نہیں

گئے دن کی تنہا تنہا میں انجمن میں
یساں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

گرچہ ہے افشائے راز' اہل نظر کی فغاں
ہو نہیں سکتا کبھی شیوہ' زندانہ عام

گیسوائے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شع یہ سودائی دلسوزی پروانہ ہے

گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں
یہ بھی سورہ و اشتمس' کی تفسیریں ہیں

گنا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
اس رمز کے اب تک نہ کھلے ہم پہ معانی

گو بڑی لذت تری ہنگامہ آرائی میں ہے
اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے

گھر بنایا ہے سکوتِ دامن کہسار میں
آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں

گرج کا شور نہیں ہے، خاموش ہے یہ گھٹنا
عجیب سے کدے بے خروش ہے یہ گھٹنا

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

گرماؤ غلاموں کا لو سوز یقین سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

گراں گرچہ ہے صحبت آب و گل
خوش آئی اسے محنت آب و گل

گل اس شاخ سے ٹوٹے بھی رہے
اسی شاخ سے پھوٹے بھی رہے

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دیں ہندۂ مومن کے لیے موت ہے یا خواب

گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لبو
تھر تھراتا ہے جہان چار سوے و رنگ و بو

گردشِ مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے
دل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقشِ ہند

گم ہے مجھ کو زمانے کی کور ذوق سے
سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فرہاد



لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کے لیے
جلیاں بے تاب ہوں جن کو جلانے کے لیے

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آئینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

لباب شیشہء تنذیب حاضر ہے مے 'لا' سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ 'الا'

لطف گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تحنیل کا نہ جب تک فکر کامل ہم نشین

لنگے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا

لذت قرب حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں
اخلاط موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں

لیٹنا زیر شجر رکھتا ہے جادو کا اثر
شام کے تارے پہ جب پڑتی ہو رو رو کر نظر

لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنت میں
پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے

لو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
جہاں میں چھینر کے پیکارِ عقل و دیں میں نے

راکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
راغر دید پر غم سے چمک ہی جاؤں

لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

لفظ 'اسلام' سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے 'فقر غیور'!

لاکر برہمنوں کو سیاست کے چچ میں
زناریوں کو دیرِ کھن سے نکال دو



مشرق سے ہو ہزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر!

مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبول وہ اہل
کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بے باک!

میں تجھ کو بتاتا ہوں 'تقدیر' ام کیا ہے
شمشیر و سناں اول 'طاؤس' و رباب آخر

مرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے
خودی نہ پہنچ، غربی میں نام پیدا کر!

محبت مجھے ان جانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کند

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

مانگنے والا گدا ہے، صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے، میر و سلطان سب گدا!

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ 'مرا انتظار دیکھ

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے 'آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے درد فراق!
چارہ گر دیوانہ ہے 'میں لادوا کیونکر ہوا

میرے مننے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا بتاؤں ان کا میرا سامنا کیونکر ہوا

مرے اشعار اے اقبال! کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہوں

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو 'ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ ہے جسے رکھتے ہیں نازک آنکھوں میں

میری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی
جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے

ہدام گوش بہ دل رہ' یہ ساز ہے ایسا
جو ہو شکستہ تو پیدا نوائے راز کرے

مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
نظارے کی ہوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

مانند خامہ تیری زباں پر ہے حرف غیر
ہیگانہ شے پہ نازش ہے جا بھی چھوڑ دے

مجھے پھونکا ہے سوز قطرۂ اشک محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں

میں نے اے اقبال یورپ میں اسے دھونڈا عبث
بات جو ہندوستان کے ماہ سیمائوں میں تھی

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے در ماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری' نفس مرا شعلہ بار ہو گا

محمد بھی ترا' جبریل بھی' قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں ترجمان تیرا ہے یا میرا؟

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گھر کی آبرو
میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہر شاہوار کر

مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر کا غمزہ؟ خوں ریز ہے ساقی

مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مئے 'لا الہ الا حق'

میں نو نیاز ہوں 'مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قیاد

مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلہ شہید کیا ہے، تب و تاب جاودانہ

مجھ کو تو سکھادی ہے افروغ نے زندیقہ
اس دور کے ملا ہیں کیوں تنگ مسلمانی!

مدت سے ہے آوارہ افلاک مرا فکر
کر دے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند

محبت خوشن بیتی 'محبت خوشت داری
محبت آستان قیصر و کسریٰ سے بے پروا

من کی دنیا! من کی دنیا سوز و مستی 'جذوب شوق
تن کی دنیا! تن کی دنیا سودو سودا' مکر و فن

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

مسلموں کے لبو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسن عالم گیر ہے مردان غازی کا

مرے لیے تو ہے اقرار باللسان بھی بہت
ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحب تصدیق

مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا
نخن و تخم سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے 'باطن میں گرفتاری

میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا
تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم راز درون میخانہ

میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

مقام گفتگو کیا ہے اگر میں کیسا گر ہوں
یہی سوز نفس ہے اور میری کیسا کیا ہے!

مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا
تحم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا

مجھے فطرت نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے
ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی

مجھے وہ درس فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذت کہاں حجاب دلیل!

منزل راہرواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے؟

مے یقین سے ضمیر حیات ہے پرسوز
نصیب مدرسہ یارب یہ آب آتش ناک

مرے کدہ کو نعمت سمجھ کہ بادۂ تاب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عای
دیا ہے میں نے انہیں ذوق آتش آشای

میں نے پایا ہے اسے اشک سحر گاہی میں
جس درتاب سے خالی ہے صدف کی آغوش

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا
مسائل نظریٰ میں الجھ گیا ہے خطیب

میری صورت تو بھی اک برگ ریاض طور ہے
میں چمن سے دور ہوں تو بھی چمن سے دور ہے

مطمئن ہے تو پریشاں مثل ۛ رہتا ہوں میں
زخمی شمشیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

مرے اللہ! برائی سے چھٹا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو

مہ روشن چھپ گیا، انھی نقاب روئے شام
شانء ہستی پہ ہے بکھرا ہوا گیسوئے شام

منزل کا اشتیاق ہے، 'غم کردہ راہ ہوں
اے شمع! میں اسیر فریب نگاہ ہوں

میں حسن ہوں کہ عشق سراپا گداز ہوں
کھلتا نہیں کہ تاز ہوں میں یا نیاز ہوں

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جمونپڑا ہو

مندى لگائے سورج جب شام کی دلمن کو
سرخى ليے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

مر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گمراہ ہے مرے بحر خیالات کا پانی

مجھ کو بھی تمنا ہے کہ 'اقبال' کو دیکھوں
کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانى

جتائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

موج ہے نام مرا بحر ہے پایاب مجھے
ہو نہ زنجیر کبھی حلقہ گرداب مجھے

میری آنکھوں کو لبھا لیتا ہے حسن ظاہری
کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری

مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے سج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

محبت ہی سے پائی ہے شفا ہمار قوموں نے
کیا ہے اپنے سخت خفتہ کو ہیدار قوموں نے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے، صحرا بھی
جس بھی کارواں بھی، راہبر بھی، راہزن بھی ہے

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ اختر بنا
قعر دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنا

مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سبھے منزل مقصود کارواں مجھ کو

مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ کو

میرا نشیمن نہیں درگہ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو، شاخِ نشیمن بھی تو

میری آنکھوں کا نور ہے تو
میرے دل کا سرور ہے تو

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

میں ناخوش و ہزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنادو

میرے کہستاں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے اب و جد کی خاک

مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دگرگوں
معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا

ن

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ خزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ غم ہے زلف ایاز میں

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی لہس، وہی ظہ

نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

نہیں بیگانگی اچھی رفیق راہ منزل سے
نہیں جہاں شرر ہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی 'ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یہ بیٹنا لیے مجھے ہیں اپنی آستیدوں میں

نمایاں ہو کے دکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک میوں میں

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
ہم ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے

نفل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے 'دہ شیر پھر ہو شیر ہو گا

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا 'ابھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سر رہ گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی 'جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں 'وہی تہریز ہے ساقی

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہء فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے، نہ قفس نہ آشیانہ

نہ زباں کوئی غزل کی، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دلکشا صدا ہو، غمی ہو یا کہ تازی

نمک پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے میکانہ رہ سکتا نہیں دریا

نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ

نہ فقر کے لیے موزوں، نہ سلطنت کے لیے
وہ قوم جس نے گنوا یا متاع تیموری

نہ دیا نشان منزل مجھے اے حکیم تو نے
مجھے کیا گھڑ ہو تجھ سے، تو نہ رہ نشین نہ راہی

نہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو، وہ قیصری کیا ہے!

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لیے

نہ بادہ ہے نہ 'صراحی' نہ دور پیانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے ہم جاناں

نوائے صبح گاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے 'وہ خطا کیا ہے!'

نہ ستارے میں ہے 'نے گردش افلاک میں ہے
تیری تقدیر مرے نالہء بے باک میں ہے

نہ فلسفی سے 'نہ ملا سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت 'وہ اندیشہ و نظر کا فساد

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیر

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گھلّونہ فروش!

نہیں ہے چیز عجمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

نور سے معمور ہو جاتا ہے دامنِ نظر
کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیا تیری مگر

نور کا طالب ہوں، گھبراتا ہوں اس بے مستی میں
طفلقِ سیما پاپا ہوں مکتبِ ہستی میں میں

نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری
اور بے منت خورشید چمک ہے تیری

نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں، نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو!
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو! رہنا

فصل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

نقش ہیں سب نامقام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

نہ تھا اگر تو شریک محفل، قصور میرا ہے یا کہ تیرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شہانہ

نہ میں انجمنی نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی دو جہاں سے بے نیازی

نہ مشرق اس سے بری ہے، نہ مغرب اس سے بری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محتاج مرد ماہ نہیں

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری



وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے
چمک تارے نے پائی ہے جہاں سے

وائے ناکامی! فلک نے تاک کر توڑا اسے
میں نے جس ڈالی کو تازا آشیانے کے لیے

وہ مے کش ہوں فروغ مے سے خود گلزار بن جاؤں
ہوئے گل فراق ساقی نامرہاں تک ہے

وہ مشت خاک ہوں! فیض پریشانی سے صحرا ہوں
نہ پوچھو میری وسعت کی! زمیں سے آسمان تک ہے

واعظ! کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبہ بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

وہ عشق جس کی شمع جھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزا نہیں تپش و انتظار کا

وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کر غموں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

وہی ہے صاحب امروز جس نے اہم ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیماں کے واسطے پیدا

وہ حرف راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفس جبرئیل دے تو کہوں

وہ شب درد و سوز و غم، کہتے ہیں زندگی جسے
اس کی سحر ہے تو کہ میں اس کی ازاں ہے تو کہ میں

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان پاک جسے
یہ رنگ و نم' یہ لبو' آب و نال کی ہے بیشی

وہ آنکھ کہ ہے سرمہء افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے' نم ناک نہیں ہے

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں' جو تری نگاہ میں ہے

وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقل ادراک
وہ خاک کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک

وہ خاک کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی
چنتی نہیں پہنائے چمن سے خش و خاشاک

وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا
وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھلایا ہوا

واں بھی انسان اپنی اصلیت سے بیگانے ہیں کیا؟
امتیاز ملت و آئیں کے دیوانے ہیں کیا؟

واں بھی کیا فریاد بلبل پر چمن روتا نہیں؟
اس جہاں کی طرح واں بھی درد دل ہوتا نہیں؟

وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہء محشر یہاں

وہی ہاں ہے اس کے لیے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

وہی بت فروشی، وہی بت گری ہے
سینما ہے یا صنعت آزاری ہے

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

وہی بندہء حرب جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری

وہ صاحب فن چاہے تو فن کی برکت سے
ٹپکے بدن مر سے شبنم کی طرح



ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!

ہر اک مقام سے آگے گزر گیا مہ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تنگ و دو!

ہم اپنی درد مندی کا فسانہ
سنا کرتے ہیں اپنے رازدواں سے

ہے طلب بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا
مرغ دل دام تمنا سے رہا کیونکر ہوا

ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے اے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبارِ رہ حجاز کرے

ہے عاشقی میں رسم الگ سب سے بیٹھنا
مت خانہ بھی، حرم بھی، کلیسا بھی چھوڑ دے

ہو تری خاک کے ہر ذرے سے تعمیر حرم
دل کو ہیکانہ انداز کلیسانی کر

ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم
کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر خدا!

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
لفظ یہ بات کہ پیر معنائں ہے مرد خلیق

ہوائے قرطبہ! شاید یہ ہے اثر تیرا
مری نوا میں ہے سوز و سر و عمد شباب

ہیں عقدہ کشا یہ خار صحرا
کم کر گلہ برہنہ پائی

ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ
دنیا نہیں مردان جفاکش کے لیے تنگ

بائے کیا فرط طرب میں جھومتا جاتا ہے اور
فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے اور

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

ہے بلندی سے فلک بس نشیمن میرا
اور کھسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا

ہوتی ہے اے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا 'کوئی چھوٹا' یہ اس کی حکمت ہے

ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا
ہم کو زیبا نہیں لگا اس کا

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے 'ضعیفوں سے محبت کرنا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ہوں زمیں پر 'گزر فلک پہ مرا
دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں

ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے

ہے شان آہ کی ترے دور سیاہ میں
پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟

ہاں 'خود نمایوں کی تجھے جستجو نہ ہو
منت پذیر نالہء بلبل کا تو نہ ہو!

ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے
کچھ اور آجکل کے کلیسوں کا طور ہے

ہو نہ خورشید تو ویراں ہو گلستاں میرا
مزل عیش کی جانام ہو زنداں میرا

ہائے غفلت کہ تری آنکھ ہے پامد مجاز
ناز زیبا تھا تجھے 'تو ہے مگر گرم نیاز

ہم نشین زرگس شہلا 'رفیق گل ہوں میں
ہے چمن میرا وطن 'ہمسایہ بلبل ہوں میں

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں؟

ہم وطن شمشاد کا قمری کا میں ہم راز ہوں
اس چمن کی خامشی میں گوش برآواز ہوں

ہویدا آج اپنے زخم پناں کر کے چھوڑوں گا
لو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو تپش دی، بگنو کو روشنی دی

ہے یہ انجام اگر زینت عالم ہو کر
کیوں نہ گر جاؤں کسی پھول پہ شبنم ہو کر!

ہوا کے زور سے ابھرا بڑھا اڑا بادل
انہی وہ اور گھٹا لو برس پڑا بادل

ہے یہی میری نماز، ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لو

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

باروں نے کہا وقت رھیل اپنے پر سے
جائے گا کبھی تو بھی اسی راہ گزر سے

ہر شاخ سے یہ نکتہ پیچیدہ ہے پیدا
پودوں کو بھی احساس ہے پنائے فضا کا

ہر چند کہ ایجاد معانی ہے خداوار
کوشش سے کہاں مرد ہنر مند ہے آزاد!

ہزار پارہ ہے کہسار کی مسلمانی
کہ ہر قبیلہ ہے اپنے ہتھوں کا زہری

ہے یہی بہتر السیات میں البحار ہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں البحار ہے



یہ رسم بزم فنا ہے اے دل! گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آمد ہماری جو تو یہاں ہے قرار ہو گا

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزدی

یہ جنت مبارک رہے زابدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

یہاں کہاں ہم نفس میسر! یہ دیس نا آشنا ہے اے دل!
وہ چیز تو مانگتا ہے مجھ سے کہ زیر چرخ کمن نہیں ہے

یوں تو اے بزم جہاں! دلکش تھے ہنگامے ترے
اک ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی

یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لب ساحل نے دیا
ہے دور وصال بحر ابھی! تو دریا میں گھبرا بھی گئی!

میں بہشت بھی ہے، حورو جبریل بھی ہے
تری نگہ میں ابھی شوقی نظارہ نہیں

یہ بتاتا عصر حاضر کہ سنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ نہ تراش آزارانہ

یارب! یہ جہان گزراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردان صفا کیش و ہنر مند

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے 'کن فیکون'

یہ دیر کھن کیا ہے، انبار خس و خاشاک
مشکل ہے گزر اس میں بے نالہ آتش ناک

یہ معاملے ہیں نازک، جر تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی

یہ ہمدی خدائی، وہ ہمدی گدائی
یا ہمدہ خدا بن یا ہمدہ زمانہ!

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب دستِ قیام کیا

یا مری آہ میں کوئی شرر زندہ نہیں
یا ذرا غم ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے

یہ مدرسہ 'یہ جواں' یہ سرور و رعنائی
انہی کے دم سے ہے میخانہ فرنگ آباد

یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے
محفل قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے

یاں تو اک مصرع میں پہلو سے نکل جاتا ہے دل
شعر کی گرمی سے کیا داں بھی پکھل جاتا ہے دل؟

یہ آگنی مری مجھے رکھتی ہے ہے قرار
خواہیدہ اس شرر میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ دور نکتہ چیں ہے 'کیس چھپ کے بیٹھ رہ
جس دل میں تو مکیں ہے' وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

یہ دستور زباں ہدی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

یہی آئین قدرت ہے، یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوب فطرت ہے

یہ استغنا ہے، پانی میں غموں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیے مثلِ حباب آجو رہنا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک گمر ہے باقی نام و نشان ہمارا

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری
جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو
ہر شے میں جبکہ پنہاں خاموشی ازل ہو

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو
مجھ کو تو لگے تجھ سے ہے، یورپ سے نہیں ہے!

یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر واعظ نے
کہ خود حرم ہے چراغِ حرم کا پروانہ

یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو
کہ ہر مستور کو عشا گیا ہے ذوقِ عریانی

بچے کی دعا

اب پہ آتی ہے دعا بنی ہے تنہا میری
 زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
 دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
 ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے
 ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
 جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
 زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
 علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!
 ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
 درد مندوں سے، ضعیفوں سے محبت کرنا
 مرے اللہ! بدائی سے چھٹا مجھ کو
 نیک جو راہ ہو، اس راہ پہ چلانا مجھ کو

ستاروں سے آگے جہاں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
 ابھی عشقِ ما کے امتحاں اور بھی ہیں
 حسی زندگی سے نہیں یہ فضا کیں
 یہاں ٹیکڑوں کا رواں اور بھی ہیں
 قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
 چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
 اگر کھو گیا اک نشین تو کیا غم
 مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
 تو شاہیں بنے پرواز ہے کام تیرا
 ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
 اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
 کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
 گئے دن کہ تھا تھا میں انجمن میں
 یہاں اب سرے رازداں اور بھی ہیں

لا الہ الا اللہ

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
 خودی ہے تجھ فساں لا الہ الا اللہ
 یہ دور اپنے برہم کی سلاش میں ہے
 صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
 کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
 فریب دور و زیاں لا الہ الا اللہ
 یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
 بمان و ہم و گماں لا الہ الا اللہ
 کرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زہاری
 نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ
 یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا ضمیمہ پایندہ
 بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
 اگرچہ مت ہیں جماعت کی آستین میں
 مجھے ہے حکم ازاں لا الہ الا اللہ

خطاب بہ جوانانِ اسلام

بھی اے نوجوانِ مسلم! تندر بھی کیا تو نے
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
تہنِ آفریں خلاقِ آئینِ جہاں داری
سہاں الفقریٰ فخریٰ کا رہا شانِ امداد میں
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اسنے
غرض میں کیا کون تجھ سے کہ وہ صحرائیں کیا تھے
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
تجھے آپا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
گنواوی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
حکومت کا جتو کیا روٹا کہ وہ اک عارضی شے تھی
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
"غنی روزِ سیارا ہر کھل راقما شائل"

وہ کیا گردوں تھا جو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا چرا
پکھل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دھرا
وہ صحرائے عرب یعنی شہرِ بانوں کا گہوارا
"باب و رنج و خل و غلہ ہر حادثہ رہے بہارا"
کہ "منعم و مہمانے" وہ سے "میش و مہمانے" تھیں
جہاں میر و ہمایاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
میر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیدار
ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا
نہیں دنیا کے آئینِ مسلم سے کوئی چھارا
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سپہارا
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخارا"

پہو ستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ہے لا زوال عہدِ خزاں اس کے واسطے
ہے تیرے گلستاں میں بھی فصلِ خزاں کا دور
جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طہور
شاخِ بریدہ سے سبقِ اندوز ہو کہ تو
نا آشنا ہے قاعدہ روزِ گار سے

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ

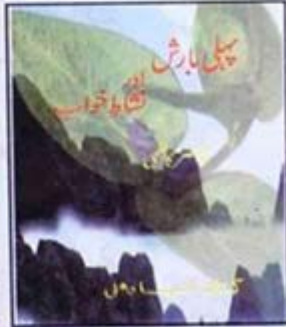
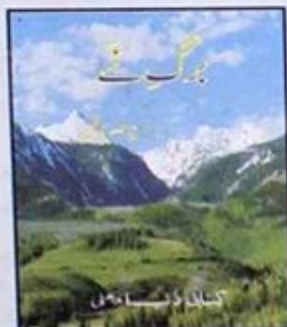
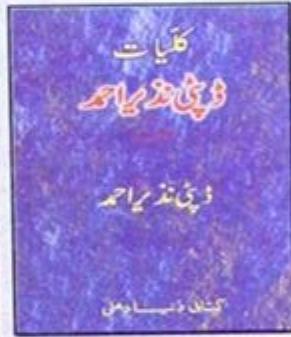
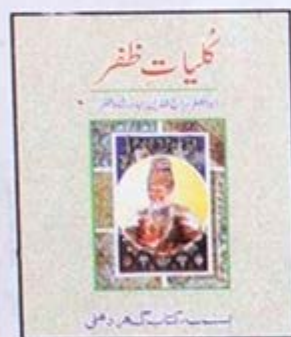
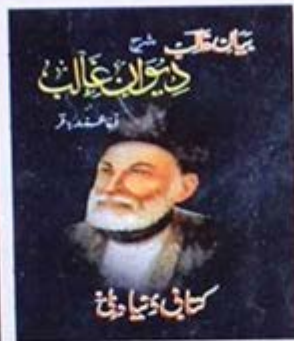
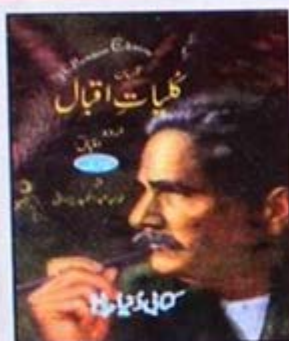
پہو ستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ!

ALLAMA IQBAL KE ASHAAR

(Selected Urdu Poetry by Allama Iqbal in Alphabetical order)

Edited by : Abid Ahsan

ہماری (مختصر) دیگر مطبوعات



Kitabi Duniya

1955, Turkman Gate, Delhi - 6 (INDIA)

E-mail kitabiduniya@rediffmail.com

Ph : 23288452 Mobile : 011-35972589



ISBN-81-87666-71-4